ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol.03 No.01 (2025)

"خاک اور خون" کی فلمی تشکیل میں پلاٹ سے انحراف" اجمالی جائزہ

DEVIATION FROM THE PLOT IN THE CINEMATIC COMPOSITION OF KHAK AUR KHOON: A BRIEF OVERVIEW

ڈاکٹر طاہرہ غفور

(لیکچرر اُردو) گورنمنٹ گریجویٹ کالج سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی

ڈاکٹر محمد راشد اقبال

اسسٹنٹ پروفیسر (شعبہ اُردو) گورنمنٹ اسلامیہ گریجویٹ کالج، قصور

ڈاکٹر محمد سہیل اقبال

Dr. Tahira Ghafoor
Lecturer (Urdu) Government Graduate College Satellite Town Rawalpindi
Dr. Muhammad Rashid Iqbal
Assistant Professor (Urdu) Govt Islamia Graduate College, Kasur
Dr. Muhammad Sohail Iqbal

Abstract:

This article critically examines the deviations in plot and characterization between Khaak aur Khoon, the historical novel by Naseem Hijazi, and its film adaptation. The study explores how the film alters key events, introduces new scenes, and modifies character portrayals, often emphasizing communal tensions and political ideologies more explicitly than the novel. While the novel intricately captures the social fabric of pre-Partition India, portraying interfaith relationships, village life, and the gradual rise of political consciousness, the film leans towards dramatization, reshaping key historical moments and omitting crucial narrative nuances. Furthermore, the article analyzes how the depiction of Partition-era violence, migration, and ideological struggles differs between the two mediums, influencing audience perception of historical events. The study highlights the challenges of adapting historical fiction into cinema, examining how creative liberties impact historical authenticity, emotional depth, and narrative fidelity. By comparing the novel and its film adaptation, this article provides insight into the artistic and ideological considerations involved in transforming historical narratives into visual storytelling.

Key words: Film adaptations, communal tentions, political, consciousness, partition era, violance, historical authenticity.

ناول "خاک اور خون" کا فلم خاک اور خون سے تقابل کرتے ہوئے پلاٹ میں انحرافات کا جائزہ لیا جائے تو کچھ تبدیلیاں سامنے آتی ہیں۔ ناول کا آغاز اسمٰعیل اور بھائی غلام حیدر کے مکالموں سے ہوتا ہے۔ غلام حیدر، اسمٰعیل سے مجید کے بارے میں بات کر رہا ہے۔ ماسٹر صاحب نے پٹواری کے ہاتھ پیغام بھجوایا ہے کہ وہ دو دن سے غیر حاضر ہے۔ ناول کے شروع میں ہی ہم چودھری رحمت علی کے دو بیٹوں سے متعارف ہوتے ہیں۔ مزید براں ان کے پوتے مجید کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ پڑھائی کی طرف سے لاپرواڑ کا ہے۔ اس کے برعکس فلم کا آغاز اذان کی آواز سے ہوتی ہے۔ نمازی مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ عورتیں اپنے گھروں میں صبح سویرے جاگ کر ضروری کام نپٹا رہی ہیں جیسے ہی اذان کی بلند آواز فضا میں گونجتی ہے تو اندر سنگھ غصے میں بڑبڑاتا ہوا جاگتا ہے اور کہتا ہے:

> اندر سنگھ: ایک تو ملّا آدھی رات کو جگا دیتا ہے اور دوسرا یہ (گھر کے صحن میں آ کر اپنی بندوق سے مرغے کو گولی مار دیتا ہے)۔[1]

اس واقعہ کا ذکر ناول میں نہیں ہے۔ یہ سین خود سے فلم ساز نے کہانی کا حصہ بنایا ہے جس سے ابتدا میں ہی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ براعظم میں غیر مسلم، مسلمانوں کی مذہبی رسومات سے نفرت کرتے ہیں۔ ناول کا پہلا حصہ مسکراہٹوں کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے جس میں نسیم حجازی نے گاؤں کی ہنستی کھیلتی خوشیوں کو مختلف واقعات کے ذریعے اجاگر کیا ہے۔ گاؤں میں مختلف قوموں کے لوگ اور ان کے بچے ہنستے مسکراتے مل جل کر زندگی کی خوشیاں سمیٹ رہے ہیں۔ ان کے درمیان

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

تعلقات کافی حد تک خوش گوار ہیں۔ البتہ مذہبی تعصب بھی کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ اس کے باوجود سب مل جل کر ہنسی خوشی رہ رہے ہیں۔ تعلقات کی نوعیت دشمنی کی نہیں ہے بلکہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی ہے۔ کیوں کہ ناول کے مصنف نسیم حجازی کا تعلق گورداس پور کے ایک گاؤں سے تھا لہٰذا ناول کے حالات و واقعات اور منظر نگاری حقیقت کی آئینہ دار محسوس ہوتی ہے۔ نسیم حجازی اس علاقے کے چپے چپے سے واقفیت رکھتے ہیں اور وہاں کے حالات واطوار سے بھی بخوبی واقف ہیں۔

فلم میں دکھایا جاتا ہے کہ سیٹھ رام لال کا بیٹا کندن لال اپنے گھر میں استاد صاحب سے ہندی زبان سیکھ رہا ہے۔ اس کے والد صاحب اسے ڈانٹتے ہیں کہ تم ٹھیک طرح سے کیوں نہیں پڑھتے ہو۔ اس پر کندن لال غصے سے جواب دیتا ہے:

کندن لال: سکول میں تو اردو پڑھنے کو دیتے ہو اور گھر میں ہندی پڑھاتے ہو۔

رام لال: ہندی اپنے دیس کی بھاشا ہے اور گاندھی جی مہاراج کہتے ہیں کہ اردو بھی۔

استاد صاحب: پر اب تو مہاتما جی نے بھی کہہ دیا ہے کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔

رام لال: (ہنستے ہوئے) کندن! اپنے آس پاس مسلمان بستے ہیں اگر اردو نہیں پڑھو گے تو گزارا کیسے ہو گا۔۔۔ کیا سمجھے۔[2]

یہ واقعہ بھی فلم ساز کی اپنی ذہنی اختراع ہے۔ ناول میں اس طرح کے کسی واقعے کا ذکر نہیں ہے۔ یہاں بھی ماخذ کہانی سے انحراف برتا گیا ہے۔
کندن کے استاد صاحب کو کچھ پیسوں کی ضرورت تھی لہٰذا وہ سیٹھ رام لال سے ان کے بچے کو پڑھانے کے عوض ملنے والی فیس کے پیسوں کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس پر رام لال بہت سخت انداز میں سمجھاتا ہے کہ تم پر اتنا بیاج چڑھا ہوا ہے کہ ابھی چھ ماہ مزید تمھیں میرے بیٹے کو پڑھانا پڑے گا۔ استاد صاحب سے سیٹھ رام لال کے اس رویے کا ذکر ناول میں نہیں ہے۔ یہ واقعہ بھی فلم ساز نے ناول کی کہانی سے انحراف کرتے ہوئے شامل کیا ہے۔

ناول کے پلاٹ میں مختلف طبقات کو اس طرح سے پیش کیا گیا ہے کہ زندگی اپنے نشیب و فراز کے ساتھ عیاں ہو رہی ہے۔ ناول کے پلاٹ میں کہانی ترتیب و توازن سے بیان کی گئی ہے۔ گاؤں کے بچوں کی زندگی خوشیوں سے بھرپور ہے۔ زندگی کے مشاغل میں انھیں کبھی احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ مسلمان، سکھ یا ہندو ہیں۔ بعض اوقات سکول سے واپسی پر ان کے درمیان جھگڑا بھی ہو جاتا ہے۔ زیادہ تر یہ جھگڑا ان کے درمیان خود ہی نپٹ جاتا ہے اور بعض اوقات بڑے بزرگ اسے افہام و تفہیم سے نپٹا دیتے ہیں۔ یہ تمام کھٹے میٹھے واقعات ایسے ہیں جنھیں فلم میں جگہ نہیں دی گئی ہے۔ ناول کے پہلے حصے "مسکراہٹیں" میں شامل واقعات سے فلم میں مکمل طور پر انحراف برتا گیا ہے اور اگر کسی واقعے کا کچھ حصہ شامل بھی کیا گیا ہے تو وہ بھی مختصر انداز میں ہے۔ اس طرح ناول کے پلاٹ کے تواخذ میں خلیج محسوس ہوتی ہے۔

فلم میں دکھایا گیا ہے کہ سلیم کا خاندان ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہا ہے۔ مجید کو پڑھائی سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے اور وہ اپنے چچا علی اکبر سے شہر سے ہوائی بندوق لا کر دینے کی فرمائش کرتا ہے جس پر وہ اسے کہتے ہیں کہ اگر اس بار وہ امتحان میں پاس ہو گیا تو اس کی فرمائش ضرور پوری کریں گے۔ فلم کے اسی سین میں دکھایا گیا ہے کہ علی اکبر یونینسٹ پارٹی کے دفاع میں باتیں کرتے ہیں جب کہ اس کے والد اور باقی کنبے کے لوگ مسلم لیگ کے حمایتی ہیں۔ اس موقع پر علی اکبر کہتا ہے:

اصل میں جو روگ ہمارے ملک کو کھائے جا رہا ہے وہ ہے فرقہ وارانہ تعصب۔ ہمارے اپنے صوبے میں سکھوں، ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد سے یونینسٹ پارٹی کی حکومت ہے۔ اسی لیے یہاں ہم ہیں۔[۳]

یہ واقعہ ناول میں شامل نہیں ہے۔ علی اکبر کو یونینسٹ پارٹی کا حامی تو ظاہر کیا گیا ہے لیکن باپ بیٹوں کے درمیان اس بارے میں کسی قسم کی گفتگو کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ علی اکبر نے فلم میں سیاسی حوالے سے جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ ناول سے انحراف ہے۔ علی اکبر سے متعلق یہ واقعہ ماخذ کہانی کا حصہ نہیں ہے جو فلم میں شامل کیا گیا ہے۔

فلم کے سین میں سلیم اپنے دوستوں مہندر سنگھ اور بلونت سنگھ کے ساتھ حلوائی کی دکان پر جاتا ہے۔ مٹھائی پکڑتے ہوئے اس کا ہاتھ حلوائی کے ہاتھ سے لگ جاتا ہے۔ ہندو حلوائی نفرت سے کہتا ہے:

حلوائی: چھی چھی میرا ہاتھ بھرشت کر دیا۔

سلیم: لالہ اب جو میرے ہاتھ سے پیسے لیے ہیں انھیں بھی بھٹی میں ڈال دو، انھیں بھی استعمال نہ کرنا تا کہ تمھارے ہاتھ میرے پیسوں سے بھرشت نہ ہوں۔[4]

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

یہ واقعہ ناول سے ہٹ کر فلم میں شامل کیا گیا ہے۔ ناول میں سلیم کا حلوائی کے پاس جانا اور اس سے بحث مباحثے کا کوئی واقعہ نہیں ملتا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کے چھو جانے سے کسی نے ناپاک ہو جانے کا اظہار کیا ہو۔ فلم ساز نے یہ واقعہ آپس کے تعصبات کو واضح کرنے کے لیے شامل کیا ہے۔ بچپن کی یہ مسکراہٹیں آہستہ آہستہ جوانی کی طرف گامزن ہو جاتی ہیں لیکن اصل ماخذ میں موجود بچپن کی مسکراہٹوں کے واقعات فلم میں شامل ہونے سے رہ گئے ہیں۔

ناول میں نسیم حجازی نے سلیم کی کہانی کے ساتھ ساتھ پاکستان بننے کے مراحل کو بھی خوب صورتی سے ناول کا حصہ بنایا ہے۔ مصنف نے انھیں اتنے ربط سے شامل کیا ہے کہ کسی قسم کا بوجھل پن محسوس نہیں ہوتا۔ ۱۹۳۷ء میں ہونے والے انتخابات کے نتیجے میں کانگرس قیادت سنبھالتی ہے اور مسلم کش فسادات کا ایک نیا دور شروع ہو جاتا ہے۔ ان فسادات کو ناول میں نمایاں انداز میں پیش کیا گیا ہے جب کہ فلم میں انھیں مختصراً دکھایا گیا ہے۔

فلم میں چودھری رمضان شہر سے واپسی پر اپنے ہمسائے لکشمن داد کے لیے تحفہ لے کر آتا ہے جس پر وہ اس کا شکریہ ادا کرتا ہے جب کہ دوسری طرف اسے رمضان کے بیٹے جلال کے سکول جانے پر حسد محسوس ہوتا ہے۔ جب رمضان اپنے بیٹے سے پوچھتا ہے کہ:

رمضان: جلال بیٹا! ابھی تک سکول نہیں گیا۔

جلال: ماں نے کہا کتاوا بنا کر جاؤں۔

رمضان: کتاوا میں بنالوں گا۔۔۔ تو سکول جا۔۔۔ سکول کا ناغہ بری بات ہے بیٹا۔

جلال: میں نہیں جاؤں گا اباجی۔ دیر ہو گئی ہے۔ ماسٹر بید مارے گا۔

لکشمن داد: (قریب آتے ہوئے) کیوں زبردستی پڑھاتے ہو۔ بیچارے کو، اس نے کون سا ڈپٹی کمشنر بن جانا ہے۔ نہیں پڑھتا مت پڑھاؤ۔[5]

لکشمن کا اپنا بیٹا راجو، جو سکول نہیں جا رہا، اسے رازداری سے سمجھاتے ہوئے کہتا ہے کہ جلال نے تو تمام عمر ڈھور ڈنگر چرانا ہے اور تجھے افسر بننا ہے اور لکشمن داد جلال سے پیار جتاتے ہوئے اپنے بیٹے راجو سے پتنگ لے کر جلال کے ہاتھ میں دے دیتا ہے اور رمضان شکر گزاری سے لکشمن داد کو دیکھتا ہے۔ اس واقعہ کا ذکر ناول میں نہیں ملتا۔ ناول سے انحراف کرتے ہوئے واقعہ کو فلم میں شامل کیا گیا ہے۔ اس واقعہ سے ہندو مسلم تعصب کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

فلم میں استاد صاحب بچوں کو پڑھاتے ہیں کہ سنسکرت میں ستان کے معنی جگہ کے ہیں۔ اب اس سے ملتے جلتے الفاظ بناؤ۔ بچے گلستان، کوہستان، ہندوستان، شبستان اور پاکستان جیسے الفاظ بناتے ہیں۔ پاکستان کا لفظ سلیم بناتا ہے اور اس کی مخالفت کرتے ہوئے بلونت سنگھ کہتا ہے کہ پاکستان تو کوئی جگہ نہیں ہے۔ ماسٹر صاحب کے کمرہ جماعت سے نکلنے کے بعد بڑے غصے اور نفرت سے تختہ سیاہ سے پاکستان کا لفظ مٹا دیتا ہے۔ اس واقعہ کو بھی ناول سے انحراف کرتے ہوئے فلم میں شامل کیا گیا ہے جس سے ظاہر کیا گیا ہے کہ تقسیم کے متعلق تعصب بچوں کے ذہنوں تک پہنچ گیا تھا اور وہ بھی اپنے اپنے بزرگوں کی تقلید کرتے ہوئے اپنے اپنے نظریے کو فروغ دے رہے ہیں۔

ناول میں سلیم اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے شہر کے ایک کالج میں داخلہ لے لیتا ہے۔ وہاں اس کا دوست اختر اس کے اندر انقلابی روح بیدار کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ وہ سلیم سے کہتا ہے:

> اگر تم اجتماعی زندگی کا شعور نہیں رکھتے تو کم از کم اس گاؤں کے لیے جس کی حسین فضاؤں میں تم نے نغمے اور قہقہے سیکھے ہیں۔ آنے والے خطرات کا احساس کرو۔ جب طوفان دوسری ہزاروں بستیوں کو ویران کر دے گا تو تمہارا گاؤں اس لیے نہیں بچ سکے گا کہ وہاں تم جیسے شاعر نے پرورش پائی ہے۔۔۔ اس وقت تمہیں یہ سمجھ آئے گی کہ اجتماعی آلام و مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیے اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس وقت تم کہو گے کہ کاش میں قوم کو میٹھے اور سہانے نغمے سنانے کے بجائے جھنجھوڑ کر جگاتا۔[6]

سلیم مسلم لیگ کے سرگرم رکن کے طور پر سامنے آتا ہے۔ ہاسٹل میں سلیم اور الطاف کا مباحثہ ناول کے پلاٹ کی خوب صورتی میں اضافہ کرتا ہے۔ اس بحث و مباحثہ کو فلم میں حذف کر دیا گیا ہے جس سے ناول نگار کا مطمع نظر ناظرین تک نہیں پہنچ سکا۔ بحث و مباحثہ میں ایسے دلائل ہیں جو مصنف کے نظریے کی واضح انداز میں وضاحت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ناول کے کچھ واقعات میں خوب صورت نوک جھونک ہے جسے فلم میں جگہ نہیں دی گئی ہے جیسا کہ مجید کا تیتر کو پکڑنے کے لیے پھندا لگانا، کمرہ جماعت میں ارشد کا چھچھوندر کو چھوڑ دینا، سلیم کا مہندر سنگھ کو ڈوبنے سے بچانا وغیرہ، خاص طور پر سلیم کا عصمت کو پھولوں کا گل دستہ پیش کرنا ایسا واقعہ ہے جو کہانی میں رومانویت پیدا کرتا ہے۔ سلیم عصمت کے لیے پھولوں کا گلدستہ بناتا ہے اور عصمت اور گھر والوں کے آنے کا انتظار کرتا ہے جیسا کہ ناول میں ہے:

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

اس نے گلدستے میں چند مرجھائے ہوئے پھولوں کو دیکھا اور زمین پر ایک اور نام لکھ دیا۔ وہ نام جس کی اہمیت وہ پہلی بار شدت کے ساتھ محسوس کر رہا تھا۔ ''عصمت'' کے لفظ کے ساتھ اس کی آنکھوں کے سامنے معصوم مسکراہٹیں رقص کر رہی تھیں۔ اس کے کانوں میں لطیف قہقہے گونج رہے تھے۔[7]

عصمت کا اپنی چھوٹی بہن راحت سے نوک جھونک اور راحت کی اپنے چھوٹے بھائی امجد سے چھیڑ چھاڑ ناول کے ایسے دل چسپ واقعات ہیں جنھیں فلم میں شامل کرنے سے فلم کی مسکراہٹوں میں اضافہ کیا جاسکتا تھا لیکن ان تمام دلچسپ ضمنی واقعات سے فلم میں انحراف برتا گیا ہے۔ ناول میں امجد سلیم کو بتاتا ہے کہ راحت اس سے کہتی ہے کہ:

رات کے وقت جب گاؤں کے لوگ سو جاتے ہیں تو چوہے ان پر چڑھ کر ناچتے ہیں اور گیدڑ کھیتوں سے نکل کر۔۔۔۔۔ مینڈکوں، کچھوؤں اور نیولوں کے متعلق امجد کو بتایا گیا کہ وہ اکثر سردیوں کی راتوں میں بچوں کے ساتھ آکر سو جاتے ہیں۔[8]

راحت کو امجد کی دکھتی رگ کا معلوم ہے اس لیے وہ اسے کانگرسی کہہ کر چھیڑتی ہے جس پر امجد تلملا اٹھتا ہے۔ ان تمام خوب صورت ضمنی واقعات سے فلم میں انحراف برتا گیا ہے۔

ناول کے پلاٹ کا ایک خوب صورت واقعہ پیر ولایت علی شاہ کا سلیم کی گھوڑی خریدنے کا ہے۔ پیر ولایت علی شاہ بہت مغرور انداز میں گھوڑی کو دیکھنے آتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ چوں کہ سلیم ایک بچہ ہے اور وہ گھوڑی کے قریب آرام سے بیٹھا اونگھ رہا ہے تو یقیناً یہ نہایت ہی بے ضرر جانور ہے لیکن ان کے گھوڑی کو ہاتھ لگانے کی دیر تھی کہ ان کی یہ خام خیالی ہوا ہو جاتی ہے۔ گھوڑے نے ان کے قریب آکر پیر صاحب کے سینے کا گوشت اپنے دانتوں میں لے لیا۔ درد کی شدت سے پیر صاحب اپنے آپ کو قریب المرگ سمجھنے لگے اور بمشکل جان بچا کر اپنے گاؤں کی راہ لی۔ سلیم اپنی گھوڑی سے بہت مانوس تھا اور اس کے جانے کے خیال سے بہت اداس تھا۔ دوسری طرف پیر ولایت علی شاہ محض دکھاوے اور ضد میں گھوڑی خریدنا چاہتے تھے اور اس واقعے سے پیر صاحب کی تمام انا اور غرور دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے اور اسے اپنی جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اس واقعے سے گاؤں کے لوگوں کی منت مرادیں مانگنے کے رویوں کی عکاسی ہوتی ہے۔ ناول میں جس طرح یہ مزاحیہ انداز میں بیان کیا گیا ہے اس سے کہانی کی دل چسپی میں اضافہ ہوتا ہے لیکن فلم میں اس واقعے کو سرے سے کوئی جگہ ہی نہیں دی گئی۔

چودھری رمضان کے طرح طرح کے وسوسے ناول میں مزاح کا عنصر پیدا کرتے ہیں۔ چودھری رمضان ایک بار اندھیرے میں مرغیوں کے ڈربے میں گھسنے والی بلی کو نکال رہا تھا، اس کی بیوی دِیالے کر اسے روشنی دکھا رہی تھی کہ اچانک دیے کی آگ اس کی پگڑی کو لگ گئی۔ یہ واقعہ بتاتے ہوئے چودھری رمضان بڑی سنجیدگی سے کہتا ہے:

یہ ہنسنے کی بات نہیں۔ بعض دن بڑے منحوس ہوتے ہیں، جلال نے بیلن میں گنے زیادہ ٹھونس دیے اور اس بیلن کی چُول ٹوٹ گئی۔ اس کے بعد گنڈا سل کے اندر گیا تو بھٹی پر کڑاہی میں گڑ جل کر سیاہ ہو چکا تھا۔[9]

ایک بھینسا رمضان کی چھت پر چڑھ گیا جسے وہ کوئی خطرناک جن تصور کر رہا تھا۔ اسے بھگانے کے لیے وہ پیر ولایت علی شاہ کو اپنے گاؤں آنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہ تمام واقعات ناول میں دل چسپی کے حامل ہیں جس سے اس زمانے کے سادہ لوح دیہاتیوں کے ذہنی شعور کی عکاسی ہوتی ہے۔ مزاح کے ان عناصر کی وجہ سے ناول میں بوریت اور یک رنگی کا بوجھل پن محسوس نہیں ہوتا۔

چودھری رمضان سے متعلق ایک اور دل چسپ واقعہ سے فلم میں انحراف برتا گیا ہے جس کے مطابق وہ اپنی گاؤں کی عورتوں کی فرمائش پر پسرور سے ہانڈیاں لے کر آتا ہے۔ ریلوے بابو سامان زیادہ ہونے کی وجہ سے اس سے زیادہ کرایہ مانگتا ہے تو رمضان اس کی منت سماجت کرتا ہے کہ مجھے گاؤں کی بہو بیٹیوں کو انکار کرتے شرم آرہی تھی۔ اس لیے ان سب کے لیے ہانڈیاں لانی پڑی۔ اس پر ریلوے بابو غصے میں کہتا ہے:

بابو: مذاق مت کرو، میں ڈیوٹی پر کھڑا ہوں۔

رمضان: مجھے کیا معلوم تھا کہ تم ڈبے کے اوپر کھڑے ہو ورنہ میں نہ لاتا یہ ہانڈیاں۔ لوگ ہنس رہے تھے اور بابو کا پارا چڑھ رہا تھا۔

بابو: مجھے کیا واسطہ کہ تم نے اپنے لیے ایک ہانڈی خریدی ہے یا سب خریدی ہیں یہ بوری تمھاری ہے اور اس میں جتنا سامان ہے میں اس کا کرایہ تم سے وصول کروں گا۔

رمضان: بابو جی اگر تمھیں خدا نے کسی کے ساتھ نیکی کرنے کی توفیق نہیں دی تو دوسروں کو کیوں منع

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

کرتے ہو۔[10]

یہ واقعہ قارئین میں ایک خوش گوار احساس بیدار کرتا ہے اور اسے فلم میں شامل کرنے سے فلم کی دل چسپی میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان واقعات کی عدم موجودگی سے فلم میں دل چسپی کے عناصر میں کمی محسوس ہوتی ہے حالاں کہ مزاح اور رومانویت ایسے عناصر ہیں جو فلم کی پسندیدگی میں اضافہ کرتے ہیں۔

سلیم اور عصمت کے جذبات واحساسات کو فلم میں پنپنے کے مواقع فراہم نہیں کیے گئے جب کہ بنیادی ماخذ میں ابتدا سے ہی دونوں کے دلوں کی دھڑکنوں کو خوب صورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ڈاکٹر شوکت جب اپنے خاندان کے ساتھ امرت سر روانہ ہوتے ہیں تو روانگی سے پہلے عصمت اور سلیم کی پریشانی کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> گاڑی کی دوسری سیٹی بجی اور انجن بھپ بھپ کرتا چل پڑا۔ عصمت اپنی اوڑھنی سے آنسو پونچھ رہی تھی۔ گاڑی نکل گئی اور ساتھ ہی سلیم کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ زنانہ ڈبے کی کھڑکی سے عصمت اور راحت اس کی طرف جھانک رہی تھیں۔ اوئے تم رو رہے ہو کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔[11]

نسیم حجازی نے بہت خوب صورتی سے سلیم اور عصمت کے احساسات وجذبات کی ترجمانی کی ہے جب کہ فلم میں یہ جذبات مفقود ہیں۔ناول میں سلیم کی دادی جان کا سلیم کی شادی کے بارے میں جوش وخروش اور عصمت کے بارے میں ان کا حساس رویہ بیان کیا گیا ہے۔ سلیم کی تائی اور چچی مذاق میں اس کی دادی جان سے کہتی ہیں کہ سلیم شہر میں کسی میم سے شادی کرنا چاہتا ہے جس پر دادی جان غیض وغضب میں کہتی ہیں کہ:

> مجھے تمھاری تمام کرتوت معلوم ہوگئی ہے۔ اسی لیے نئے نئے سوٹ سلوایا کرتے تھے۔۔۔۔ سلیم نے کہا دادی جان آپ سے مذاق ہو رہا ہے۔ دادی جان نے آگے بڑھ کر صغریٰ کی چوٹی پکڑلی اور اسے پیٹنا شروع کر دیا۔ سلیم قریب پہنچ کر کہنے لگا۔ دادی جان ایک اور لگاؤ اسے بڑی چڑیل ہے یہ۔ دادی کے ہاتھ تھک گئے لیکن صغریٰ کی ہنسی میں فرق نہ آیا۔[12]

بنیادی ماخذ کا یہ ضمنی واقعہ بھی فلم میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ فلم میں دکھایا گیا ہے کہ سلیم کے والد مسلم لیگ کے خلاف ہیں لیکن ایک واقعہ ان کے خیالات کو یکسر بدل دیتا ہے جب کمشنر صاحب انھیں پُرامن تحریکِ آزادی کے جلوس پر فائرنگ کا حکم دیتے ہیں:

> ان مسلمانوں کا کیا ہے یہ تو اپنی قوم سے ہمیشہ غداری کرتے آئے ہیں۔ اگر آج تمھارا مجسٹریٹ ان پر گولی چلوا دے گا تو کیا فرق پڑتا ہے۔(باقی سب ساتھی ہنسنے لگتے ہیں)اس آواز کی بازگشت چودھری علی اکبر کو ملامت کرتی ہے۔[13]

پولیس والے کے یہ خیالات سلیم کے والد صاحب کے ضمیر کو جگانے کا سبب بنتے ہیں۔ یہ واقعہ ناول میں نہیں ہے۔ فلم ساز نے اس واقعے کو شامل کرکے کمیونسٹ پارٹی کے حمایتی مسلمان عہدیداروں کے بارے میں غیر مسلموں کے تصورات کی عکاسی کی ہے۔ ایک اور واقعے میں ڈاکٹر شوکت سلیم کے والد صاحب کو سمجھاتے ہیں کہ ہمارے لیے نوکر شاہی نظام ٹھیک ہے۔ چودھری علی اکبر کے کانوں میں ڈاکٹر شوکت کی آواز جابجا گونجتی ہے جب وہ انھیں کہہ رہے تھے کہ آگے آگے دیکھیے نوکر شاہی کیا کیا قباحتیں ڈھاتی ہے۔ ایک مسلمان مجسٹریٹ تو کیا اقتدار کے بھوکے کئی مسلمان مجسٹریٹ اپنے بھائیوں پر گولیاں برسائیں گے۔ اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خون سے ہولی کھیلیں گے۔ پاکستان کا مطالبہ کرنے والی ہر زبان کو کاٹ دینے کا حکم دیں گے۔ یہ واقعہ بھی بنیادی ماخذ میں شامل نہیں ہے۔ فلم ساز نے اسے فلم میں اپنی ذہنی اختراع سے شامل کیا ہے۔ ناول کے پلاٹ میں شامل حالات وواقعات قارئین کے لیے کافی اہمیت رکھتے ہیں جنھیں فلم ساز نے مختلف مصلحتوں کے زیرِ اثر فلم کا حصہ بنایا ہے یا فلم میں سے حذف کر دیا گیا ہے جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ فلم خاک اور خون محض تاریخی حقائق کو پیش کرنے کا ایک ذریعہ ہو اور اس میں شامل واقعات اپنے مخصوص مقاصد کے تحت ہی شامل کیے گئے ہوں۔

فلم میں ناول کے پلاٹ کی خارجی اور داخلی کیفیت کو دوبارہ سے زندہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اگرچہ اس سلسلے میں کافی محتاط رویہ اپنایا جاتا ہے اور فلم ساز اپنے تخیل کے زور پر تاریخ کے ان بظاہر خشک واقعات میں ایسی جان ڈال دیتا ہے کہ ناظرین کے سامنے اس زمانے کا چلتا پھرتا عکس آ جاتا ہے۔ تاریخی ناول کا مقصد کسی خاص عہد کے حالات وواقعات کی عکاسی کرنا ہے لہٰذا ایسے ناول کو فلم میں ڈھالتے ہوئے فلم ساز ایسا سازگار ماحول بناتا ہے کہ تاریخی حقیقتیں تخیل کی رنگ آمیزی کے ساتھ حقیقی تصویر پیش کرتی نظر آتی ہیں۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

حوالہ جات

1۔ مسعود پرویز، مکالمہ جات ماخوذ از فلم خاک اور خون
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً
4۔ ایضاً
5۔ ایضاً
6۔ نسیم حجازی، خاک اور خون ، ص۲۰۹
7۔ ایضاً، ص۱۸۱
8۔ ایضاً، ص۲۳۹
9۔ ایضاً، ص۹۶
10۔ ایضاً، ص۲۸۱
11۔ ایضاً، ص۱۸۵
12۔ ایضاً، ص۲۲۷۔۲۲۸
13۔ مسعود پرویز، مکالمہ جات ماخوذ از فلم خاک اور خون

Books and Articles:

Parvez, M. (Director). (1979). *Khaak aur khoon* [Film]. National Film Development Corporation.

Shaista, A., Hayat, G., & Zahoor, M. A. (2024). Portrayal of Indian partition in Urdu novels: The case of *Khaak Aur Khoon* (1950) by Nasim Hijazi. *Journal of Historical Studies, X*(1), 228–240.

National Assembly Secretariat. (n.d.). *Report of the Public Accounts Committee on the accounts of the Federal Government of Pakistan for the years 1985-86, 1986-87 & 1987-88.* Islamabad, Pakistan.

Mudra Institute of Communications Ahmedabad. (2012). *Understanding the portrayal of occupations in Hindi cinema* (Post Graduate Diploma thesis).

Arshad, W., Maqsood, A., Zaidi, S. S., Haroon, M., Qadir, U. M., Sultana, U., Arshad, S., Haq, M. I. U., & Sanaullah, S. (2024). Kalam-e-Iqbal: Current requirements and our priorities. Retrieved from https://www.researchgate.net/publication/384326267_Kalam_E_Iqbal_Current_Requirements_And_Our_Priorities

Attaullah, M., Ovaisi, M. A., & Arshad, W. (2023). Indirect Contributions of Neocolonial Era on Urdu Language. *Makhz (Research Journal), 4*(3)

Awaisi, M. A., Attaullah, M., & Arshad, W. (2023). Modern Urdu Fiction and Sufism: An Analytical Study. *Makhz (Research Journal), 4*(4)

Jawaid, A., Batool, M., Arshad, W., ul Haq, M. I., Kaur, P., & Sanaullah, S. (2025). AI AND ENGLISH LANGUAGE LEARNING OUTCOMES. *Contemporary Journal of Social Science Review, 3*(1),

Jawaid, A., Khalil, A., Gohar, S., Kaur, P., Arshad, W., & Mukhtar, J. (2024). ENGLISH LANGUAGE LEARNING THEORIES AND DIGITAL TECHNOLOGIES OF 21ST CENTURY: A SYSTEMIC SCENARIO. *Journal of Applied Linguistics and TESOL (JALT)*, *7*(4)

Jawaid, A., Mukhtar, J., Mahnoor, D. P. K., Arshad, W., & ul Haq, M. I. (2025). ENGLISH LANGUAGE LEARNING OF CHALLENGING STUDENTS: A UNIVERSITY CASE. *Journal of Applied Linguistics and TESOL (JALT)*, *8*(1), 679-686.

Jawaid, A. (2014). Benchmarking in TESOL: A study of the Malaysia Education Blueprint 2013. *English Language Teaching*, *7*(8), 23–38. Canadian Center of Science and Education.

Arshad, W., Arshad, S., Naeem, M., & Sanaullah, S. (2025). [Existentialism: Theories and philosophical principles]. *Journal of Applied Linguistics and TESOL*, *8*(1), 41–47. Retrieved from https://jalt.com.pk/index.php/jalt/article/view/446

Ovaisi, A., & Arshad, W. (2024). The travelogue of Mahmood Nizami *"Nazar Nama"*: Analytical study. *Tahqeeq-o-Tajzia*, *2*(1), 1–14. Retrieved from https://tahqeeqotajzia.com/index.php/tot/article/view/18

Naeem, M., Arshad, W., Sanaullah, S., & Arshad, S. (2025). **"** ["Chand Gehan, Daan Aur Daastaan" by Intizar Hussain: An analytical study]. *Al-Aasar*, *2*(1), 82–91. Retrieved from https://al-aasar.com/index.php/Journal/article/view/71

Arshad, W., Naeem, M., Sardar, N., & Arshad, S. (2025). [Evolutionary stages of translation in the Urdu language]. *Al-Aasar*, *2*(1), 77–81. Retrieved from https://al-aasar.com/index.php/Journal/article/view/66

Sanaullah, S., Shaheen, A., & Arshad, W. (2024). ["Two Letters of Comfort" by Dr. Imran Zafar: Analytical study]. *Shnakhat*, *3*(3), 346–360. Retrieved from https://shnakhat.com/index.php/shnakhat/article/view/357

Jahangir Book Depot. (2022). *Khaak Aur Khoon*. Lahore, Pakistan: Jahangir Book Depot.